نظرات

یوں تو فرقہ وارانہ فسادات اس بدبخت ملک کی قسمت بن گئے ہیں کہ طوقِ غلامی سے آزاد ہوئے آج اسے ۳۴ برس ہونے کو آئے اور ہنوز روزِ اول ہے۔ فسادات کا مادۂ فاسد اس ملک کے جسم میں اس طرح سرایت کر گیا ہے کہ "تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم" کا عالم ہے، ایک چکر ہے کہ برابر چل رہا ہے، ایک طوفان باد و باراں ہے کہ مسلسل رواں دواں ہے۔ کبھی یہاں اور کبھی وہاں، آج وہ، کل ہماری باری ہے۔ نوبت آگے پیچھے آتی ہے، لیکن اس عفریت جاں شکار کی زد پر سب ہیں، لیکن گزشتہ مہینہ میرٹھ میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوا اور ایک مہینہ برابر اس آگ کے شعلے شہر کو اپنی لپیٹ میں لیے رہے، اس نے اس ملک کے سماج اور اس کی گورنمنٹ کو دنیا کی مہذب اور شائستہ قوموں کی نگاہ میں رسوا اور ذلیل و خوار کر چھوڑا ہے۔

عام فسادات کی طرح میرٹھ کا فساد اچانک نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی چنگاریاں کم و بیش چھ مہینے پہلے سے سلگ رہی تھیں، جس مندر اور مزار سے اس کا آغاز ہوا۔ ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲۴ راکتوبر ۱۹۸۲ء کے نامہ نگار انیل مہیشواری کے بیان کے مطابق اس کی حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۱۶ء میں یہاں ایک پیاؤ تھا اور اس کے قریب ہی ایک پیپل کا درخت تھا، لیکن ۱۹۴۶ء میں یہ پیاؤ اور اس کے ساتھ جو کنواں تھا دونوں بند کر دیئے گئے۔ البتہ پیپل کے درخت کو ہندو اپنی مذہبی رسم کے مطابق پانی دیتے اور اس کی شاخوں میں سرخ دھاگہ باندھتے رہتے تھے، یہ علاقہ جہاں جھگڑا ہوا ہے خالص مسلمانوں کی آبادی ہے، پہلے تھوڑے بہت ہندو جو یہاں آباد تھے وہ ۱۹۴۶ء کے فسادات کے بعد یہاں سے منتقل ہو گئے تھے، تقریباً چھ مہینے ہوئے کہ ایک ہندو نے جو مذکورہ بالا پیاؤ کا انتظام کرتا تھا (غالباً اس ڈر سے کہ کوئی مسلمان پیاؤ کے مکان کو خرید کر اس پر قبضہ نہ کر لے) پیاؤ کے مکان کے اوپر شیو مندر بنانے کا فیصلہ کیا اور اس کی فوراً تعمیل ہو بھی گئی، کسی مسلمان کو جوش آیا تو اس نے مندر کے جواب میں اسی مکان کے ایک حصہ میں ایک مزار بنا دیا اور دعویٰ کیا کہ یہ شاہ گھاسہ کا مزار ہے۔ اخبار مذکور کا نامہ نگار مزید لکھتا ہے کہ یہ مندر اور مزار دونوں جعلی اور غلط ہیں کیونکہ ہندوؤں

مذہبی احکام کے مطابق کوئی مندر کسی مکان کی چھت پر نہیں بنایا جا سکتا، علاوہ ازیں یہ مکان ہندو وقف نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ایک پرائیویٹ جائداد تھا۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ ۱۹۲۳ء میں میونسپل بورڈ نے پیاؤ پر ٹیکس لگا یا تھا اور جبکہ پیاؤ باقی نہ رہا تھا ہندو ٹرسٹ ہاؤس ٹیکس ادا کر رہا تھا۔ حالانکہ مذہبی اوقاف ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اسی طرح جو مزار بنایا گیا ہے وہ بھی غلط تھا، کیونکہ کوئی مزار رہائشی گھر کے اندر نہیں ہوتا اور اسکا رخ مشرقی اور مغربی بھی نہیں ہوتا۔

اب مندر اور مزار کی یہ روئداد سننے کے بعد فیصلہ کیجئے کہ ان حالات میں اڈمنسٹریشن کو کیا کرنا چاہئے تھا؟ صاف ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں مجرم نمبر اول وہ ہیں جنھوں نے مندر بنایا اور مجرم نمبر ۲ وہ ہیں جنھوں نے جعلی مزار کا سوانگ رچایا۔ حکومت کا فرض تھا کہ ان دونوں کو فوراً گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلاتی، اگر وہ ایسا کرتی تو معاملہ ہرگز آگے نہ بڑھتا اور ایک عظیم فتنہ کا سدباب ہو جاتا۔ لیکن حکومت نے ایسا کرنے کے بجائے فریقین سے گفتگو شروع کر دی، حالانکہ جن کے دلوں میں کھوٹ ہو اُن سے مصالحت کی گفتگو کرنے کے کیا معنی، بہرحال گفتگو چلتی رہی اور طبعی طور پر دونوں فریقوں میں کشمکش و آویزش باہمی امتداد وقت کے ساتھ بڑھتی رہی، آخر کار جو پجاری اس جعلی مندر میں رہتا تھا کسی نابکار نے ۱۸ ستمبر کو چاقو مارا اور وہ چل بسا، اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نہایت شدید مجرمانہ فعل تھا، پولیس کا فرض تھا کہ فوراً قاتل کا سراغ لگا کر اسے اس کے کیفر کردار تک پہونچانے کی کوشش کرتی، لیکن اگر وہ قاتل کو نہیں پکڑ سکی اور اس کا سراغ پا جانے میں ناکام رہی ہے تو کوئی شخص یقین سے یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ قاتل مسلمان ہی تھا۔ کیونکہ سماج دشمن (UNSOCIAL) عناصر کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ الکفر ملۃ واحدۃ کے ارشاد نبوی کے مطابق سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہوتے ہیں۔ گذشتہ فسادات میں کتنے ہی ایسے ہندو پکڑے گئے ہیں جنھوں نے خود گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مندر میں پھینک کر شہر میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی، لیکن بہرحال سمجھا یہی گیا کہ قاتل مسلمان ہے اور ساتھ ہی شعوری یا غیر شعوری طور پر غالباً یہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ اس بہیمانہ فعل کو مسلمانوں کی خاموش تائید حاصل ہے۔ بس پھر کیا تھا! کرفیو لگا۔ پولس کے مختلف دستے متعین ہوتے، پکڑ دھکڑ، مارپیٹ، آتش زنی اور لوٹ مار۔ اکا دکا حملے، قتل و قتال خانہ تلاشی

وغیرہ، غرض کہ درندگی اور بہیمیت کے وہ تمام مظاہرے جو فسادات میں عام طور پر ہوتے ہیں ان کا ظہور کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے زیادہ شدت کے ساتھ میرٹھ میں ہوا اور حسب سابق ان کا نشانہ سب سے زیادہ مسلمان ہی رہے، پولس کا کام حفاظت کرنا اور فساد کو روکنا ہے لیکن میرٹھ میں پی۔ اے۔ سی نے خاص طور پر مسلمانوں کے حق میں فتنہ انگیزوں کا وہ رول ادا کیا ہے کہ الامان الحفیظ، ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی یاد تازہ ہو گئی۔ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا اور زندگی کی صبح روشن ان کے لئے موت کی شام غم بن گئی۔

ملک میں جب کبھی کوئی بڑا فساد ہوتا ہے عام طور پر مسلمانوں میں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ یہ سوال ماضی میں بارہا اٹھا ہے اور کثرت سے اس کے جواب میں مضامین شائع ہوتے ہیں، دسیوں کنونشن ہو چکے ہیں، پچاسوں تجویزیں پاس ہو چکی ہیں، اقلیتی کمیشن بھی موجود ہے، پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں فسادات کے موقع پر دھواں دھار تقریریں بھی ہوتی ہیں، گورنمنٹ نے ایک قومی یک جہتی ادارہ (NATIONAL INTEGRATION ORGANISAATION) بھی قائم کر رکھا ہے لیکن ان سب سرگرمیوں اور کوششوں کے باوجود حالت یہ ہے کہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ یہ آخر کیوں؟ اس کا جواب آپ جو چاہیں دیں لیکن اس سے کم ازکم یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ اب تک فسادات کو روکنے کے لیے حکومت کی یا پبلک کی سطح پر جتنی تدبیریں ہوئی ہیں وہ ناکام رہی ہیں۔

اس بنا پر ہمارا قطعی خیال اور پختہ رائے ہے کہ اگر ان فسادات کا سدباب ممکن ہے تو اسے مسلمان خود ہی کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ آج ہندو مسلم مسئلہ کوئی انفرادی اور استثنائی مسئلہ ہرگز نہیں ہے، وہ جزء ہے ایک کل کا، اور کل چونکہ متعفن سخت بیمار اور مجذوم ہے اس لیے اس کے جراثیم ہندو مسلم تعلقات کے جسم میں گھس آئے ہیں، رونا فقط جارحانہ فرقہ پرستی اور اس کی زہرناکی کا نہیں ہے، بلکہ اصل رونا اس کا ہے کہ ہمارا ملک اور اس کا سماج بڑی تیزی سے اخلاقی اور تہذیبی انحطاط و زوال کی پستی میں اترتا جا رہا ہے۔ ہم اور ہمارا ملک اور سماج سب ایک کشتی میں سوار ہیں۔ اگر یہ کشتی تیرتی ہے تو سب کیلئے عافیت ہے اور اگر ڈوبتی ہے تو پھر ہندو مسلم کا سوال نہیں سب ہی ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی صورت حال کے اسباب گوناگوں اور چند در چند ہیں لیکن بنیادی وجہ یہ ہے کہ

(باقی صفحہ ۴ پر)